سیّدتی واُمّی

سیدہ س بخاری

آتی ہی رہے گی ترے انفاس کی خوشبو
گلشن تری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

اگر جانے والوں کو روکنا ناممکن ہے تو اُن کا بھلانا یا اُن پر نوحہ گری بھی ممکن نہیں۔ اپریل ۲۰۱۲ء کو بچھڑنے والی ہستی کے انفاس کی خوشبو میرے رگ وپے میں، دل ودماغ میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ یہ خوشبو میرے اردگرد کے ماحول کو معطر کیے ہوئے ہے۔ اس ہستی کی یادوں اور باتوں سے مہکتا گلشن بڑا ہی پُر بہار ہے۔ کہیں ایمان ویقین کا سرسبز وشاداب شجر ہے اور کہیں غیرت وحمیّت، استغنا وخودی کے بیل بوٹے ہیں، کہیں تقویٰ وطہارت خلوص ووفا کے نرالے پھول تو کہیں شرم وحیا، صبر ورضا کے غنچے مسکرا رہے ہیں، کہیں امانت ودیانت کی کلیاں ہیں تو کہیں صداقت وحق گوئی کے سدا بہار شگوفے ہیں، گردشِ لیل ونہار برق رفتاری سے تین سو پینسٹھ کا چکر پورا کرنے کو ہے۔ جدائی واداسی کے آنسوؤں میں بھیگے ان بے کیف اور مضطر شام وسحر میں کئی مرتبہ قلم اٹھایا لیکن کبھی دماغ نے ساتھ چھوڑ دیا کبھی اعصاب جواب دے گئے اور کبھی قلم لکھنے سے انکاری ہوا، لیکن اس سب کے باوجود دل کا مسلسل ایک ہی تقاضا رہا کہ ہمت سے کام لو اور اپنے حافظے میں محفوظ قیمتی یادیں اور باتیں آگے منتقل کر دو کہ ایسی باتیں کرنے والے اور ایسی یادیں چھوڑنے والے اب نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔ اپنے جسم وجاں میں بسی ہوئی خوشبو سے نسلِ نَو کو متعارف کرا دو کہ شاید اس کا کوئی جھونکا کسی کی زندگی کا رُخ بدل دے۔

بحیثیت ماں دنیا کی ہر عورت عظیم ہے لیکن جو عورت اولاد کی جسمانی پرورش کے ساتھ روحانی وذہنی تعلیم وتربیت میں اپنا سب کچھ تیاگ دے وہ یقیناً لائق صد تکریم ہے۔ میری خوش نصیبی اور بخت کی بلندی کی میری ماں ایسی ہی بے مثال عورت تھیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اُن کی آغوش اور گہوارۂ تربیت سے وابستہ بے پناہ یادوں میں کس کا ذکر کروں۔ اُن کی محبت اور سایۂ عاطفت میں گزرے لمحوں میں کس لمحے کو دہراؤں اور اُن کی سچی اور کھری باتوں میں سے کون سی بات پہلے سناؤں۔

بشری تقاضوں اور کمزوریوں سے کسی کو بھی مفرّ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی بہت سی صفات اور خوبیوں سے نوازا تھا جو انہیں اپنی ہم عصر بلکہ اپنے خاندان کی خواتین میں بھی سب سے ممتاز کرتی تھیں۔ اُن کی سب سے بڑی اور نمایاں صفت دین، علمِ دین اور اہلِ دین سے محبت ہے، اپنی اولاد کے حوالے سے سب سے زیادہ جس چیز کا انہوں نے خیال رکھا وہ تھی دینی، روحانی اور اخلاقی تربیت۔ انہیں عام ماؤں کی طرح اس بات کا قطعی شوق نہ تھا کہ اُن کی اولاد کے پاس دنیاوی ڈگریاں ہوں اور وہ اونچے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو بلکہ سب خواہشوں کی ایک ہی خواہش وآرزو تھی کہ اُن کی

اولاد دین دار اور دین کی خادم ہو۔ اس حوالے سے جتنی قربانی اُنہوں نے دی، اپنی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کے بعد پورے خاندان میں اس کی مثال نہیں۔ اپنی اولاد بالخصوص بیٹیوں کو علمِ دین سے آراستہ کرنے کے لیے جامعہ خیر المدارس کے احاطے میں مکان کرائے پر لیا، والد ماجد ملازمت کی وجہ سے شہر سے باہر تھے لہٰذا تن تنہا ہر طرح کی ذمہ داری نبھائی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اپنی جدہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اُسوہ یوں اپنایا کہ گھر کے سارے کام خود کیے حتیٰ کہ گھر میں پانی کا معقول بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے بہت مرتبہ ساتھ والے گھر سے جو کہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کا تھا، برقعے کے ساتھ پانی بھر کر لاتیں۔ اس کے علاوہ بہت سے ایسے مسائل کا سامنا کیا جو ہر عورت کے بس کی بات نہیں لیکن کبھی ہمت نہیں ہاری اور نہ ہی عام عورتوں کی طرح خود کو مظلوم سمجھا بلکہ حالات کا بھرپور مقابلہ کیا کہ یہ اُن کی زندگی کا مقصد اور مشن تھا۔ انہوں نے اپنے قول اور عمل سے ہر ممکن ہمارے ذہنوں میں علمِ دین کی اہمیت وعظمت کو اجاگر اور راسخ کیا، مثلاً اس حوالے سے جو پہلا نقش دین کی اہمیت کا ہمارے ذہنوں پر ثبت کیا وہ یہ ہے کہ ہر بچے کو تعلیم کی ابتدا کسی بزرگ شخصیت سے کروائی جس کو عرف میں تقریبِ بسم اللہ کہا جاتا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ اوّلین نقش بچے کی شخصیت پر یقیناً اثر انداز ہوتا ہے۔ میری بسم اللہ کے لیے جس ہستی کا چناؤ کیا گیا میرے لیے وہ باعثِ فخر وانبساط ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے امی جان نے بڑے اہتمام سے زردہ بنایا اور پھر سب گھر والوں کو ساتھ لے کر حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے گھر گئیں، وہ اپنی بیٹھک میں چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ مجھے اُنہوں نے اپنے پاس بٹھالیا باقی سب نیچے بیٹھ گئے اور پھر اُنہوں نے بڑی شفقت سے ''ا'' سے لے کر ''ج'' تک پڑھایا۔ وہ آواز، وہ انداز اور وہ نورانی سا وجود آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہے اور بلاشبہ یہ اُسی وجود کی کرامت اور برکت ہے جو آج دین کی تھوڑی بہت سوجھ بوجھ ہے۔

ہمارے اخلاق وکردار، عادت واطوار، گفتگو، اٹھنا، بیٹھنا، تعلیم سے لے کر کھیل کود تک ہر چیز پر اُن کی گہری نظر تھی۔ اس سلسلے میں وہ کسی رعایت کی قائل نہیں تھیں، ہم کیا پڑھ رہے ہیں، کیا لکھ رہے ہیں، کیا سُن رہے ہیں؟ اُن کے علم میں ہوتا۔ مثلاً ہم جب مدرسے سے گھر آتے تو اکثر ہماری تختی دیکھتیں کہ کیا لکھا ہے؟ اگر املا کی کوئی غلطی معلّمہ کی نظر سے رہ جاتی تو اُسے درست کرتیں، اُن کی طرف سے یہ بات ہمیں سمجھا دی گئی تھی کہ اگر تختی پر اللہ یا محمد لکھا ہوا ہے تو پھر وہ پودوں والی کیاری میں دھوئی جائے تاکہ پانی نالی میں نہ جائے۔

لباس کے معاملے میں وہ بہت سخت تھیں، فیشن یا جدت کی اُن کے ہاں کوئی گنجائش نہیں تھی۔ عام خواتین کی طرح وہ اپنے یا ہمارے کپڑوں کے فکر میں کبھی مبتلا نہیں ہوئیں، وہ اس سوچ کی حامل نہیں تھیں کہ ایک تقریب پر پہنا ہوا کپڑا دوبارہ نہیں پہنا جاسکتا۔ وہ اپنی وسعت کے مطابق عیدالفطر پر جو کپڑے بناتیں وہ عیدالاضحیٰ اور اس کے بعد بھی کسی تقریب میں جانے کے لیے اُسی ایک جوڑے کو کافی سمجھتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اندر ہر طرح کے حالات سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت رکھی تھی۔ شادی سے پہلے وہ والدین کے گھر میں ایک شاہزادی تھیں لیکن بعد میں دیگر مسائل کے ساتھ

مالی اور معاشی تنگ دستی سے بھی وہ کبھی پریشان نہیں ہوئیں، اُن کے اندر صبر و رضا اور قناعت کا مادہ بہت تھا۔ مجھے وہ وقت ہمیشہ یاد رہتا ہے کہ جب مہینے کے آخری دنوں میں ہمارے گھر میں سالن نہیں پکتا تھا لیکن وہ ہمیں لسّی، چٹنی، پیاز، سلاد اور گھی شکر سے یوں اطمینان سے کھانا کھلاتیں جیسے اُن کے بچے قورمہ پلاؤ کھا رہے ہوں۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رزق کی حد سے زیادہ سے زیادہ قدر کرتیں، اُن کی کوشش ہوتی کہ روٹی کا ایک ٹکڑا بھی ضائع نہ ہو اسی لیے وہ ہمیشہ رات کی باسی روٹی گرم کر کے خود بھی کھاتیں اور ہمیں بھی کھلاتیں۔ بلکہ اگر روٹی زیادہ سوکھ جائے تو پھر اُس کے ٹکڑے پانی میں بھگو دیتیں اور گُڑ ڈال کر میٹھا بنا دیتیں جسے ہم بہت شوق سے کھاتے۔ ہماری تعلیم اور صحت کا بہت خیال رکھتیں، ہمیں کوئی بھی ایسی چیز کھانے کی اجازت نہ تھی جو صحت کو نقصان دے۔ مدرسے جانے سے پہلے جب اُن سے پیسے مانگتے تو پہلی بات یہ ہوتی کہ روزانہ پیسے لینا ضروری نہیں اور پھر اگر دے دیے تو اگلی بات یہ ہوتی کہ مجھے بتاؤ کیا کھاؤ گی۔ تعلیمی ضروریات ہر ممکن طریقے سے پوری کرتیں اس وجہ سے ہمیں کبھی بھی اپنی جماعت میں یا اُستاد کے سامنے شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ صداقت کی صفت میں وہ اسم بامسمیٰ تھیں۔ ہمیشہ سچ بولا، سچ سکھایا اور سچائی پر رہنے کی تلقین کی، میں قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ اُنہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، ہاں بات بھول گئی ہوں تو اور بات ہے۔ اپنی کسی چیز کو کبھی تالا نہیں لگایا، اُن کا کہنا تھا کہ تالا چور کے لیے ہوتا ہے۔ چاہتی ہوں میرے بچوں کی نیت اتنی صاف اور نظر اتنی سیر ہو کہ وہ کسی چیز کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں، الحمدللہ وہ اس میں کامیاب رہیں۔ حقوق العباد کی ادائیگی کے حوالے سے اُن کی تربیت کا پہلا قدم یہ تھا کہ وہ کھانے پینے کی اشیاء معمولی ہوں یا بہت اعلیٰ ہر ایک کو اُس کا حصہ الگ کر کے دیتیں، کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ کسی کو کوئی چیز پسند نہیں تو وہ کہتیں مجھ سے اپنا حصہ لے لو پھر جس کو مرضی دو، اُن کے اس عمل کا ہمیں بہت زیادہ نفع ہوا۔

دیانت اور امانت اُن کی گھٹی میں تھی اور اُن کی زندگی کے ہر پہلو کو محیط تھی۔ کسی کی چیز کو بلا اجازت استعمال کرنے یا کسی امانت میں تصرف کرنے سے وہ بہت احتیاط کرتیں، شوہر کے مال کے حوالے سے بھی بہت محتاط تھیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مکمل مصداق تھیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب عورتوں میں سے قریش کی عورتوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

''صَالِحُ نِساءِ قُرِیشٍ اَحْذَاہُ علٰی ولدٍ فِی صِغرہٖ و اَرْعاہ علٰی زوجٍ فی ذات یدہٖ''

قریش کی نیک بخت عورتیں اپنے چھوٹے بچوں پر شفیق ہوتی ہیں اور اپنے شوہر کے اس مال کی جو ان کے قبضے میں ہوتا ہے، بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں۔''

ہم سب اس بات کے گواہ ہیں کہ اُنہوں نے اپنے شوہر کے مال سے ایک پائی بھی ضائع نہیں کی بلکہ عام خواتین سے ہٹ کر اس مال کو شوہر کے عزیز و اقارب پر سب سے زیادہ خندہ پیشانی سے خرچ کیا، ہم نے کبھی بھی اُن کی طبیعت میں تکدر نہیں دیکھا بلکہ اپنے سُسرالی رشتہ داروں کی خوب خوب خدمت کی، اُن کا یہ ایمان تھا کہ ہر آنے والا اپنا نصیب کھاتا ہے۔

زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی ادائیگی کا بہت زیادہ خیال رکھتیں۔انہیں جب زیور کی زکوٰۃ میں مشکل پیش آتی تو اسے فروخت کر کے اطمینان کا سانس لیا۔دوسروں کو بھی اس کی ترغیب وترہیب دلاتیں۔مشتبہ چیزوں کے استعمال سے بھی گریز کرتیں یا پھر اُس کا حل نکالتیں،مثلاً ہمارے گھر آ کر کوئی ہدیہ میں اپنے باغ کا پھل یا کوئی اور جنس بھیجتا تو عموماً ترازو لے کر تول کر کچھ مقدار الگ کر دیتیں اور کہتیں کہ اکثر لوگ عشر نہیں ادا کرتے ، میں ہنستی کہ امّی جتنی مقدار آپ نے نکالی ہے یہ تو ثلث یا رُبع ہے لیکن اُن کا اطمینان اسی میں ہوتا۔

اسی طرح سابق صدر پاکستان محمد رفیق تارڑ صاحب (جو کہ نانا جان کے عقیدت مند بھی ہیں) نے دورانِ صدارت بھائی جان کے ہاتھ کچھ ہدیہ بھیجا جو کہ اُنہوں نے بڑے تامل سے لیا اور بھائی جان سے کہا کہ ''آئندہ احتیاط کرنا۔خصوصاً جب تک وہ صدر مملکت ہیں'' کچھ عرصہ بعد پھر اُنہوں نے دوبارہ بھیجا تو بھائی جان سے کہنے لگیں:

''کفیل تم نے نہیں لینا تھا'' بھائی جان نے کہا میں نے اُنہیں آپ کا پیغام دے دیا تھا جو اُنہوں نے بڑی خوش دلی سے سُنا اور کہنے لگے کہ:

''ہمشیرہ سے کہہ دیں کہ الحمدللہ یہ بالکل حلال ہے۔پھر بتانے لگے کہ میری اہلیہ بھی اسی طرح آنے والے تحائف اور چیزوں کے بارے میں بہت محتاط ہے۔''

اسی طرح وقف کے مال میں وہ حد سے زیادہ حساس اور سخت تھیں،اس سے یوں گریز کرتی تھیں جیسے کوئی انگارہ ہو۔اس بارے میں وہ آخر تک ہمیں نصیحت کرتی رہیں اور ہر مرتبہ نانا جان کا یہ قول ضرور سناتیں کہ ''بیٹا وقف کے مال سے بچتے رہنا یہ جہاں گیا پہلا بھی ساتھ لے گیا، میں نے کئی ایسے گھرانے دیکھے جنہوں نے وقف کا مال کھایا اور پھر تباہ ہو گئے۔'' ان کی احتیاط کا اندازہ اُن کے اپنے عمل سے لگایا جا سکتا ہے کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ ہمارا اخبار مدرسے کے دفتر میں گیا اور وہاں ملازم نے دفتر کے اخبار کے ساتھ ہمارے اخبار کو بھی پن لگا دی۔جب اُنہیں اس بات کا پتہ چلا تو دفتر میں باقاعدہ ادائیگی کی اور بھائی جان سے کہا کہ آئندہ ہمارے اخبار کو دفتر سے پن بالکل نہ لگائی جائے۔اسی طرح ایک ملازم نے گھر سے منگوائے گئے سودے کا حساب کاغذ پر لکھ کر بھیجا تو وہ سخت برہم ہوئیں کہ دفتر کا کاغذ ذاتی استعمال میں کیوں آیا، بھائی جان نے وضاحت کی کہ یہ کاغذ کی وہ بے کار کترنیں ہوتی ہیں جنہیں ہم ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔تو اُن کا جواب تھا پھر بھی احتیاط اچھی ہے۔

اسی طرح ہمارے گھر کی پانی کی ٹینکی مکینک نے اس وجہ سے کہ زیادہ اونچی جگہ پر رکھی جائے، جامعہ بستانِ عائشہ کی چھت پر رکھ دی۔اُنہیں بعد میں پتہ چلا تو ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اس کا حل یہ نکالا کہ ہر ماہ جامعہ بستانِ عائشہ کو ٹینکی کا کرایہ دینا شروع کر دیا جو کہ آج تک جاری ہے۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مواقع پر اُن کا عمل یہی تھا۔میں یہ کہوں گی کہ وہ اپنے والدین کا پرتو بلکہ عکسِ جمیل تھیں۔میں نے بہت کم صفات اور خصوصیات کو یوں منتقل ہوتے دیکھا ہے۔اُنہیں اپنے والدین سے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی، نہ صرف والدین بلکہ اُن کے تعلق داروں سے بڑی محبت سے ملتیں۔اس کی ایک چھوٹی سی مثال پانچ

سال قبل ہمارے علاقے کی کارپوریشن کی مہترانی ایک دن اچانک گھر آ گئی، اس کا تعارف یہ ہوا کہ وہ ہمارے ننھیالی محلے کی تھی اور اس کی ایک عزیزہ نانی امّاں کے گھر کام کرتی تھی اس وجہ سے اس کو اتنی پذیرائی ملی کہ پھر اس کا کام سے فارغ ہو کر امّی کے پاس اکثر آنا اور اپنے حال احوال کے ساتھ چائے کی پیالی پینا معمول ہو گیا، یہ معمول اُن کی وفات کے ایک سال بعد تک آج بھی جاری ہے۔

وہ ہمیں نانا ابا جی کی ایک ایک بات بچپن سے اب تک یوں سناتی آئی تھیں کہ اُنہیں نہ دیکھنے کے باوجود بھی یوں لگتا ہے کہ ہم نے اُنہیں دیکھا ہے، وہ اپنی ہر خوبی اور ہر حاصل ہونے والی نعمت کو اللہ کے فضل اور والدین کی دعا اور تربیت سے منسوب کرتیں۔ دینی غیرت وحمیّت انگریز اور اُس کی تہذیب سے نفرت اُنہیں وراثت میں ملی تھی اس کا اظہار وہ برملا اور بغیر کسی مصلحت کرتیں، بلاضرورت انگریزی بولنے، انگریزی تعلیم کی فوقیت یا اس تہذیب کو اپنانے پر فوراً ٹوک دیتیں اور سمجھاتیں کہ یہ زبان ضرورتاً سیکھو لیکن اپنے اوپر مسلط مت کرو۔ یہ بہت مفلس زبان ہے اس میں ہر رشتے کے لیے دو ہی لفظ ہیں انکل اور آنٹی۔ فیشن، جدت، ترقی اور آزادی کے نام پر بے غیرتی و بے حیائی کے مناظر، خبریں اور مضامین اخبارات ورسائل میں دیکھ اور پڑھ کر وہ کڑھتیں اور کثرت سے استغفار کرتیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اُن کے خون میں شامل تھی۔ دیارِ حرم جانے والوں میں سے جو کوئی بھی اُنہیں ملنے آتا تو وہ آبدیدہ ہو جاتیں اور گلوگیر لہجے میں روضۂ اقدس پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کو کہتیں۔ ایک مرتبہ پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہنے لگیں کہ ''یوں کہنا آپ کے غلام کی بیٹی سلام عرض کرتی ہے''..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس اور ختمِ نبوّت کے حوالے سے وہ بے حد حسّاس اور چوکنا تھیں۔ اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے اپنی ہمت وبساط کے مطابق وہ جو کچھ کر سکتی تھیں ضرور کرتیں۔ مثلاً جب ڈنمارک اور دیگر ایک دو ملکوں میں ملعونین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے بنائے تو وہ اس گستاخی پر بہت ہی آزردہ، غم زدہ اور غصہ میں تھیں، پھر اُنہوں نے ایک فیصلہ کیا اور اس کو گھر میں نافذ کیا کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی وہ چیزیں جن کا متبادل موجود ہے گھر میں نہیں آئیں گی، اُن کا یہ فیصلہ آج تک بھی اسی طرح برقرار ہے۔ وہ قرآن کی ان آیات پر ہر ممکن حد تک عمل پیرا رہیں ''وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ. اور لَایَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ''انہوں نے ہر قسم کی مصلحت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے بیگانے سب تک دین کا پیغام پہنچایا اور جواب میں ہر طرح کے نتائج کا سامنا کیا۔ وہ واقعی کسی سے نہیں ڈرتی تھیں اور جس سے ڈرتی تھیں اُس نے اُن کی بڑی مدد کی۔ اُنہوں نے اپنی چار نندوں اور دیور کو قرآن اور دین کی ابتدائی بنیادی تعلیم اپنے پاس رکھ کر دی نہ صرف یہ بلکہ آگے اُن میں سے کئی ایک کے بچوں کو اپنے پاس رکھا، اس میں اصل جو اُن کا کمال تھا وہ یہ کہ ان سب کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اپنی اولاد کے ساتھ تھا۔ تعلیم وتربیت اخلاق واعمال کی اصلاح، عادات واطوار، لباس کی درستگی سے لے کر کھانے پینے تک ہر چیز میں مساوات رکھی، واللہ ایسی مساوات میں نے نہیں دیکھی۔ اس حسنِ سلوک کا وہ سب بھی اعتراف واقرار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں استغنا، خودی،

سادگی وعاجزی وافر عطا کی تھی، دنیاوی اعتبار سے بڑے جاہ ومرتبہ والی خواتین سے بھی اُن کی ملاقات ہوئی لیکن میں نے کبھی اُنہیں کسی کے عہدے، امارت یا ظاہری وجاہت سے لمحہ بھر کو بھی متاثر ہونے نہیں دیکھا۔ ہاں اپنے ابا جی کی طرح عوام الناس، غربا، مساکین اور سفید پوش لوگوں سے بہت محبت سے پیش آتیں، اُن کی پریشانیاں اور مسائل سُن کر حتی الوسع مدد کرتیں، اُن سے ملنے اور محبت کرنے والوں میں اعلیٰ سے ادنیٰ ہر درجہ کے لوگ موجود ہیں جس کی ایک مثال پیالے فروخت کرنے والی خانہ بدوش ماسی شریفاں ہے جو تقریباً پچیس سال سے اُن کی بہن بنی ہوئی ہے اور اُن کی جدائی سے نڈھال آج بھی اس تعلق کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنی مخلوق کے ذریعے بے پناہ محبت سے نوازا.....

اسراف سے حتی الامکان گریز، قناعت اور اعتدال کی راہ اُنہیں پسند تھی۔ کسی کی چیز کو دیکھ کر اُس پر ریجھنا یا بلاضرورت چیز لینا اُن کے نزدیک بے وقوفی تھی، سادگی اُن کے مزاج کا خاصہ ہی نہیں ایمان کا حصہ تھی۔ اُن کی اپنی ایک خاص ہی سادہ وضع قطع تھی، وہ کہیں بھی جائیں اور خواہ کوئی بھی آئے وہ اسی میں راحت محسوس کرتیں۔ شکر گزاری بھی بے مثال تھی، جب اُن کا ہاتھ تنگ تھا قناعت وشکر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا اور جب اللہ نے اپنے فضل کی بارش کی تو راہِ اعتدال سے ایک انچ بھی نہ ہٹیں اور اُن کا طرز زندگی وہی رہا۔ تصنع یا بناوٹ اُنہیں چھو کر بھی نہ گزرے تھے۔ منافقت اور تملق اُن کی لغت سے خارج تھے، اُنہوں نے جس سے محبت کی دل سے کی اور جس سے شکوہ ہوا اُسے ظاہر کر دیا۔

تقویٰ وطہارت مبالغے کی حد تک تھی، اُن کے نزدیک ظاہری صفائی سے پاکی کی اہمیت زیادہ تھی اور اس قدر تھی کہ میں کئی مرتبہ مذاق کرتی امّی اس مسئلے میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو گنجائش دیتے ہیں لیکن آپ کے ہاں کوئی گنجائش نہیں۔ صبر وتسلیم اور رضا بالقضا کا جو مظاہرہ پیرانہ سالی میں اپنے لختِ جگر کی جدائی پر کیا وہ اُن پر اللہ کی خاص عنایت تھی۔ وہ بحیثیت ماں بہت شفیق تھیں لیکن اللہ کے دین کے معاملے میں اُنہیں کوئی رأفت ومودت نہ گھیرتی۔ میں اُن کا یہ انداز دیکھتی تو مجھے یہ حدیث یاد آجاتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو دس نصیحتیں ارشاد فرمائی تھیں اُن میں سے تین یہ تھیں ''**وَانفِق عَلٰی عَیَالِک مِن طُولِک وَلَا تَرفَعُ عَنھُمُ عَصَاک ادباً و اَخفھُم فِی اللّٰہ**'' اپنی اولاد پر وسعت کے مطابق خرچ کرو اور ان سے ادب سکھانے والی لاٹھی مت ہٹاؤ اور انہیں اللہ کے بارے میں ڈراتے رہو۔ وہ آخر دم تک ان تینوں باتوں پر عمل پیرا رہیں۔ انہیں اپنے بھائیوں اور اُن کی اولاد سے دلی پیار تھا بالخصوص پیر جی ماموں کے بچوں سے شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بھی اپنی پھپھو سے جی جان سے پیار کرتے اور ہر بات میں رہنمائی لیتے، وہ اپنے بھتیجے، بھتیجیوں کی دینی ترقی پر بہت خوش ہوتیں اور ڈھیروں دعائیں دیتیں۔ ایک مرتبہ مجھے کسی بات کے جواب میں کہا کہ میں نے اپنے باپ کی وفات پر اُن کے خون سے عہد کیا تھا اور میں اُس پر قائم ہوں۔

اُنہوں نے اپنی زندگی کے ہر پہلو میں یادگار اور لازوال نقوش چھوڑے ہیں لیکن کچھ نقوش اتنے گہرے ہیں اور کچھ مناظر ایسے خوبصورت اور دلآویز ہیں کہ اکثر یاد آتے ہیں اور بڑا ہی بے قرار کر جاتے ہیں۔ اپنی جوانی سے لے کر بیماری کے

آخری چند سال سے پہلے تک اُن کا یہ معمول تھا کہ نماز کے بعد اپنے مخصوص انداز و آواز میں ذکر اذکار کرتیں، بالخصوص فجر، مغرب اور عشا میں اور آخری دس پندرہ سالوں میں اُن کا معمول تھا کہ وہ سردیوں میں ظہر کی نماز پڑھ کر وہیں اپنی نماز کی چوکی پر بیٹھ رہتیں اور عشا پڑھ کر اُٹھتیں اور گرمیوں میں مغرب وعشا۔ حزب الاعظم کی بہت ساری دعائیں اور نماز کے بعد کی سورتیں اسی وجہ سے میرے حافظے میں محفوظ ہیں۔ اُن کے باقی معمولات تو اب اختلاج قلب، ضعف اور ناتوانی کی وجہ سے چھوٹ گئے تھے لیکن رات کو سوتے وقت کلمہ شہادت، ادعیہ ماثورہ بلکہ اکثر چھے کلمے، ایمان کی صفتیں اور لانبیّ بعد محمد لا اُمّۃ بعد اُمّۃ محمد، قدرے آواز کے ساتھ پڑھنا اُن کا معمول تھا۔ دن یا رات میں جب بھی اُن کی طبیعت زیادہ خراب ہوتی تو وہ اہتمام کے ساتھ بلند آواز سے یہ سب کچھ پڑھتیں۔ رات کو کئی مرتبہ اُن کی اس آواز سے میں اُٹھ جاتی اور اُن کی طبیعت کی ناسازی کا پتہ چل جاتا۔ میں کہتی آپ مجھے آواز دے دیتیں تو وہ کہتیں میرا جی نہیں چاہتا تمہیں اُٹھانے کو سارا دن کی تھکی ہوئی ہوتی ہو۔ واحسرتا

ایسا کہاں سے لائیں تجھ سا کہیں جسے

اُن کا وجود ہمارے لیے کس قدر اہم اور بابرکت تھا اس کا اندازہ اُن کی زندگی میں بھی بخوبی تھا، اُن سے جدائی کا تصور بڑا ہی سوہانِ روح تھا۔ وہ اپنے گھر کی ملکہ تھیں، اُن کے بیٹھنے کی اپنی مخصوص جگہ تھی۔ ہم سب گھر والے اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوتے اُن کی نگاہ ہر ایک پر ہوتی، ساتھ ساتھ کوئی نہ کوئی بات سنا یا سمجھا دیتیں، عمر کے اس حصے میں بھی وہ گھر کے معاملات میں ممکن حد تک معاون تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے ہمارے ہر کام میں اُن کی مرضی اور برکت شامل ہے کوئی نہ کوئی اُن سے ملاقات کے لیے آجاتی اور کبھی سارا دن آنا جانا لگا رہتا، جسے ہمارے ہاں یوم الورود کا نام دیا جاتا، تین چار سال سے اُن سے ملاقات کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی جارہی تھی جس پر وہ کئی مرتبہ ہنس کر کہتیں لگتا ہے کوچ کا وقت قریب آ گیا ہے۔ آنے والی خواتین جب اُن سے عقیدت یا نسب کے اعتبار سے رشک کا اظہار کرتیں تو وہ استغفار کرنے لگ جاتیں، عاجزی وانکساری کا اظہار کرتیں اور اکثر یہ دعا مانگتیں کہ اللہ ہمیں ان محبت کرنے والوں اور ہمارے بارے میں اچھا گمان رکھنے والوں کے سامنے روزِ حشر شرمندگی سے بچانا۔

۱۳/اپریل جمعہ کے دن اُن کی طبیعت معمول کے مطابق تھی بلکہ قدرے بہتر میری خوش قسمتی کہ چھٹی کی وجہ سے اُس دن اُن کے سارے چھوٹے چھوٹے کام میں نے کیے۔ صبح ناشتے کے وقت بڑی پُرمسرت آواز میں مجھے پکارا اور کہا کہ ایک اچھی خبر سنو، کویت کی پارلیمنٹ نے توہینِ رسالت کے خلاف قانون پاس کیا ہے۔ یہ اُن کا معمول تھا کہ وہ ہمیں کام کاج کے دوران اہم خبروں سے آگاہ کرتی رہتیں۔ پھر دوپہر کو میں فارغ ہو کر اُن کے پاس بیٹھی تو اُس وقت بھی اسلام اخبار کا مطالعہ کر رہی تھیں۔ مجھے کہنے لگیں سنو یہ کیسا ایمان افروز واقعہ ہے، پھر حضرت عمران بن حصین کا واقعہ سنایا۔ کافی دیر جمعے کا بیان سنتی رہی اور پھر نماز کی تیاری کرنے لگیں تو اچانک طبیعت خراب ہوگئی، ہم نے معمول کی بات سمجھی لیکن تکلیف میں جب شدت ہونے لگی تو پھر جس سے جو ممکن ہوا اُس نے کیا۔ اس دوران کلمے اور دعاؤں کا معمول جاری رکھا، اپنے

اردگرد موجود افراد سے معافی مانگی، ہم دونوں بہنوں کو مخاطب ہو کر کہنے لگیں اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ عطاء المکرّم اور عطاء المنعم جو اُن کے پاس بیٹھے تھے اُنہیں پیار کیا اور پھر جمعہ کے بیان میں حجاج بن یوسف کا واقعہ جو سنا تھا اللہ تعالیٰ کو اس کا حوالہ دے کر معافی مانگنے لگیں کہ اے اللہ حجاج نے بھی تو آخر وقت یہی کہا تھا کہ ''اَنَا اَنَا وَ اَنْتَ اَنْتَ'' مالک تو حجاج کو بھی تو بخشے گا مجھے بھی بخش دے۔ ہمیں ان میں سے کوئی بھی بات معمول سے ہٹی ہوئی نہ لگی، پھر قدرے طبیعت سنبھل گئی اور تھوڑی دیر کے لیے نیند آ گئی، وفات سے تھوڑی دیر پہلے میں نے پوچھا امی اب کیا حال ہے تو کہنے لگیں بہتر ہوں پھر اچانک دوبارہ تکلیف زیادہ ہوئی اور اُنہوں نے سفرِ آخرت کی تیاری کر لی اور ہم سب انتہائی بے بسی اور عاجزی کی تصویر بنے اُنہیں دیکھتے رہے۔ اُمِّ مکرم و منعم اُن کے منہ میں زم زم ڈالتی رہیں اور اُن کی زبان اللہ اللہ کا ورد کرتے ہوئے ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی، اُن کی روح اُس بارگاہ میں پہنچ گئی جس کی رضا اور خوشنودی کو ہمیشہ مقدم رکھا اور جس سے وہ ہر حال میں راضی تھیں یقیناً وہ غفور رحیم بھی اُن سے راضی ہے۔

اُن کا کردار ایک روشن، بے مثال اور قابلِ تقلید ہے۔ اُن کی زندگی با مقصد اور دینی اصولوں کے تحت گزری، اُنہوں نے اخلاص وللّٰہیت جراءت ایمانی، حق گوئی وحق پرستی اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی کتاب سے محبت کا جو راستہ چھوڑا اور ہمیں دکھایا، بتایا اور سمجھایا ہے وہ بڑا ہی عزیمت کا راستہ ہے۔ میں اکثر سوچتی ہوں کہ باوجود کوشش کے ہمارا عزم و استقلال اُن جیسا کیوں نہیں؟ وہ کتنے اطمینان و اعتقاد، اعتماد و یقین کے ساتھ اس راستے پر چلیں اور چلتی گئیں اور یقیناً خلدِ بریں کی مکیں ٹھہریں۔ **ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء**

☆☆☆